Subject:	**Urdu**
Module:	**07**
Paper:	**GAZAL**
Topic:	**Wali Daccani**
Content writer:	**Prof.Khwaja Md Ekramuddin** **Jawaharlal Nehru University, New Delhi**
PI:	**Professor Mazhar Mehdi Hussain** **Jawaharlal Nehru University, New Delhi**

ولی دکنی

01-تعارف/تمہید (Introduction)

ولی کو ولی دکنی کے علاوہ ولی اورنگ آبادی بھی کہا جاتا ہے، لیکن ہنوز یہ مسئلہ تحقیق طلب ہے کہ ولی کب اور کہاں پیدا ہوئے۔ ان کی غزلوں میں بعض ناموں اور پہناووں سے گجراتی رسم و رواج کا بھی پتہ چلتا ہے لیکن صرف اسی بنا پر انھیں گجراتی بھی نہیں کہا جاسکتا۔ یہ ضرور ہے کہ سیاحت کا انھیں شوق تھا اور وہ گجرات، اورنگ آباد، برہانپور اور دکن کے دوسرے علاقوں میں مختلف اوقات میں قیام کرتے رہے ہیں۔اسی بنا پر بعض نقاد انھیں ولی گجراتی بعض ولی برہانپوری اور بعض ولی اورنگ آبادی کے نام سے یادکرتے ہیں۔ ولی کا انتقال 1707 میں ہوا۔ محمد حسن ولی کا مولد اور جائے وفات بھی احمدآباد کو بتاتے ہیں۔

ولی کا نام ولی محمد تھا، دکن میں متصوفانہ روایت کی جڑیں بہت مستحکم تھے۔ شعرا کا عمومی رجحان تصوف کی طرف تھا۔ ان کے یہاں عشقِ حقیقی کے پہلو بہ پہلو عشقِ مجازی کا میلان بھی شیر و شکر ہے۔ دکنی شعرا کے یہاں ایک طرف مذہب کی طرف گہری رغبت ہے تو دوسری طرف نسوانی حسن کے بھی دلداہ ہیں۔ ان دونوں رجحانات کی امتزاجی صورت ایک روایت کے طور پر ولی کے یہاں بھی اپنا اثر دکھاتی ہے۔ درحقیقت تصوف سے ان کی گہری رغبت ہی انھیں دلّی کی طرف لے گئی۔ جہاں ان کی آمد سے پہلے ہی ان کی غزلیں پہنچ چکی تھیں اور وہ مشہور ہوچکے تھے۔ اس کا ایک مطلب یہ بھی نکلتا ہے کہ ولی کی غزل بعض ایسی خوبیوں کی حامل اور اپنے وقت سے آگے کا احساس دلا رہی تھی، جو شمالی ہند کے شعرا کی توجہ کا باعث بنی۔ جب وہ 1700 میں دلی آئے اور ان کی ملاقات مشہور صوفی شاعر سعداللہ گلشن سے ہوئی تو ان کی طبیعتِ رواں کو ایک نئی راہ ملی۔ ولی فارسی زبان و شاعری کی روایت سے بخوبی واقف تھے۔ سعداللہ گلشن کی ہدایت اور دلی میں

فارسی شعر کی صحبت نے انھیں فارسی شاعری کے رنگ آہنگ کی طرف کچھ اس طور پر مائل کردیا کہ غزل کی ایک منجھی ہوئی اور معیاری صورت معرضِ وجود میں آ گئی۔ یہی وہ معیاری صورت ہے جس نے شمالی ہند کی شاعری میں انقلاب پیدا کردیا۔

ولی نے دکنی روایت کے مطابق مثنوی اور قصائد بھی لکھے لیکن ان کی شہرت کے خاص اسباب ان کی غزل ہی میں مضمر ہیں۔ ولی جمال پرست تھے ان کے احساسِ جمال کا عکس ان کی غزلوں میں ذاتی تجربے کے طور پران کی غزلوں میں عیاں و پنہاں ہے۔ اگرچہ متصوفانہ جذبات کا رنگ بھی گہرا ہے لیکن ان کے تصور عشق کو محض عشق حقیقی سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا، اگر ایک طرف ان کا جذبۂ عشق مسلکِ تصوف کا مظہر ہے تو دوسری طرف وہ نسوانی حسن کی ایک دیوی کے طور پر پرستش بھی کرتے ہیں۔ یہ دونوں صورتیں ان کی غزلوں میں ا یک دوسرے کے ساتھ گھُل مل کر یک جان ہوگئی ہیں۔

02. سبق کا مقصد(Learning Outcome)

اردو شاعر کی تاریخ میں ولی کا ایک بلند مقام ہے، ان کی غزل عہدساز اور تاریخ ساز کہلاتی ہے۔ وہ ایک طرف دکنی شاعری کی عروج کی منزل پر کھڑے نظر آتے ہیں اور دوسری طرف اس جدید غزل کی راہ بھی ہم وار کرتے ہیں جس کا آغاز حاتم، یکرنگ، آبرو، فائز وغیرہ کے ذریعے شمالی ہند میں ہوتا ہے۔ طلبہ کے لیے ولی کی غزل میں ان کی دلچسپی کا وافر سامان موجود ہے۔ اس سبق کے بعد انھیں صحیح معنی میں ولی کی اس غزل سے تعارف ہوگا جو غزل کا ایک نیا معیار متعین کرتی ہے اور جس کے اثرات دوررس ثابت ہوتے ہیں۔ طلبہ کی سہولت کے لیے درج ذیل

عنوانات قائم کیے گئے ہیں۔ ان کے بعد ولی اور ان کی غزل ان کے لیے محتاج تعارف نہیں رہے گی:

(i) ولی قدیم و جدید کے درمیان ایک پُل
(ii) ولی کی غزل میں جمالیاتی رنگ و آہنگ
(iii) ولی کی شاعری میں لسانی عمل
(iv) ولی کی سراپانگاری
(v) متصوفانہ جذبات کی ترجمانی

03- ولی قدیم و جدید کے درمیان ایک پُل

ولی کو قدیم یعنی قدیم دکنی شاعری کی روایت اور جدید یعنی وہ شاعری جو سراج اورنگ آبادی، داؤد اورنگ آبادی اور شمالی ہند کی دورِ اوّل کی شاعری کے درمیان ایک سنگم کا تصور فراہم کرتی ہے۔ ولی کے اثرات محض آبرو، فائز وغیرہ ہی کے یہاں کارفرما نہیں ہیں، ان شعرا کے بعد میر و سودا کے کلام کو بھی ان اثرات سے مبرّا قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ان کا دلّی میں ورود، سعداللہ گلشن سے شرفِ نیاز اور ولی کے فارسی شعرا کی صحبتوں سے استفاضے کے واقعات کی خاص اہمیت ہے، جو ولی کے لیے ہی نہیں اردو شاعری کے لیے بھی فالِ نیک ثابت ہوا۔ ولی کی شاعری میں کس قسم کی تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں، ان کے بارے میں حنیف نقوی نے لکھا ہے:

”ایک طرف تو خود انھوں نے اپنے کلام کو دہلی کے روزمرّہ کے معیار پر لانے کی کوشش کی اور دوسری طرف اُردو میں ان کی کامیاب طبع آزمائی سے

ان لوگوں کو حوصلہ ملا جو فارسی کی سرد لاش کو زیادہ عرصے تک اپنے سینے سے لگائے رکھنے کے لیے تیار نہ تھے اور اپنی بات اپنی زبان میں دوسروں تک پہنچانے کے امکانات کا جائزہ لے رہے تھے. کچھ زمانے کے بعد محمد شاہ کے دوسرے سال جلوس (1132-33ھ) میں ولی کا دیوان دہلی آیا۔ اور شاہ حاتم کے بیان کے مطابق آتے آتے اس کے اشعار ہر خُرد و بزرگ کی زبان پر جاری ہوگئے۔ ولی کے کلام کی اس مقبولیت نے شمالی ہند میں اردو شاعری کے ارتقا کی رفتار بڑے خوش آئند اثرات مرتب کیے۔ فارسی کا اعتبار اٹھنا شروع ہوا اور اردو ایک طاقتور حریف کی حیثیت سے اس کے مقابل آکھڑی ہوئی۔‘‘

(شعرائے اردو کے تذکرے: ڈاکٹر حنیف نقوی، ص 111)

فارسی شاعری کی رفتار دھیمی پڑگئی۔ یوں بھی وہ خواص کے لیے تھی۔ شمالی ہند کے اکثر شعرا کے لیے فارسی ہی وسیلہ اظہار تھی،جب شعرا اردو زبان میں شعر کہنے لگے تو شاعری کا رشتہ عوام سے بھی مضبوط ہوگیا۔ فارسی نے شاعری کے لیے جو فضا قائم کی تھی وہ اردو شاعری کے کام آئی۔ شمالی ہند میں ابھی اردو شعری روایت کا باقاعدہ آغاز ہوا تھا اور نہ دکنی شاعری جہاں تک پہنچی تھی اس پائے کی شاعری کی کوئی مثال قائم ہوئی تھی۔ ولی کے بعد دکنی شاعری کاقدیم دور بھی اپنے اختتام کو پہنچتا ہے۔ دکن میں ولی کے بعد سراج اورنگ آبادی کے علاوہ کوئی قابل ذکر شاعر پیدا نہ ہوا۔ کاروانِ سخن کا رخ شمالی ہند کی طرف مڑگیا اور حاتم، آبرو، مضمون، یکرنگ، یقین،فغاں وغیرہ جیسے شعرا کی ایک پوری کھیپ منصۂ شہود پر آگئی۔

یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ولی نے دلّی کے محاورے اور روزمرّہ یا بول چال کی زبان کو ترجیح دے کر دکنی زبان یا دکنی اردو کے ارتقا کو ٹھیس پہنچائی۔ دراصل تاریخی عتبار سے اس طرح کی تبدیلی کا واقع ہونا فطری تھا۔ شمالی ہند میں بھی پراکرتوں کے باعث سنسکرت زبان اور شاعری کا ارتقا رُک گیا تھا۔ وہاں اب کالیداس پیدا ہورہے تھے نہ امرو جیسا شاعر۔ اب کبیر، جائسی، رس کھان، تلسی داس اور میرابائی عوامی جذبات کی ایک ایسی زبان میں ترجمانی کررہے تھے جو تکلف، تصنع اور ظاہری آرائش و زیبائش سے عاری تھی۔ اردو نے اپنی شکل بنالی تھی لیکن امیر خسرو کی دوچار مثالوں سے بات آگے نہیں بڑھی تھی۔ جو کچھ بھی سرمایۂ شعر تھا وہ دکنی کی شکل میں تھا۔ جس کا عروج ولی و سراج سے عبارت ہے۔ یہی وہ شعرا ہیں جو اردو شاعری میں فکر و لسان کی سطح پر ایک انقلاب کے موجب بھی بنے۔ گویا ولی قدیم و جدید کے درمیان دو ادوار کو جوڑتے اور ایک کو دوسرے سے الگ بھی کرتے ہیں۔ اسی لیے انھیں قدیم و جدید کے درمیان ایک پل سےبھی موسوم کیا جاتا ہے۔

04۔ ولی کی غزل میں جمالیاتی رنگ و آہنگ

دکنی شعرا کا احساسِ جمال بہت توانا تھا۔ حسن پرستی نے ایک ایسی روایت کی شکل اختیار کرلی تھی جس سے کوئی شاعر اپنا دامن نہیں بچا سکا۔ جمال پرستی کا یہ رجحان غزلوں کے علاوہ مثنویوں، نظموں اور قصائد میں بھی پوری آب و تاب کے ساتھ نمایاں نظرآتا ہے۔ یوں بھی غزل کے معنی عورت سے بات چیت کرنے یا عورتوں کے بارےمیں گفتگو کرنے کے لیے جاتے ہیں۔ دکنی غزل میں بھی حسن و عشق کے مضامین کو دونوں طرح سے برتا گیا ہے۔ بادہ و ساغر کے پردے میں مشاہدۂ حق کی گفتگو کے طور پر اور غیراشارتی طور پربھی۔ بعض شعرا کے یہاں

دونوں کے اشتراک کی صورت بھی ملتی ہے، بعض کے یہاں عشق کا مجرّد تصور حاوی ہے اور بعض کی ترجیح جسم و لمس سے سیرابی پر ہے۔ قلی قطب شاہ، شاہی اور ہاشمی کے کلام میں جسمانی سیرابی کی اسی کیفیت کو ان شعرا نے سرمستی و سرشاری اور حسیاتی آب و رنگ کے ساتھ ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔

ولی کے کلام میں تینوں طرح کی صورتیں ملتی ہیں۔ انھوں نے بادۂ ساغر کے پردے میں بھی مشاہدۂ حق کی گفتگو کی ہے، جیسے:

تیری نگاہِ مست کہ ہے جامِ بے خودی	رکھتی ہے کیفیت کہ نہیں وو شراب میں
تشنہ لب کوں تشنگی مے کی نہیں ناسور ہے	پنبۂ منیا اُسے جیوں مرہمِ کافور ہے
ترے بن مج کوں اے ساجن یو گھر بار کرناں کیا	اگر تو نا اچھے مجھ کَن تو یو سنسار کرناں کیا
شرابِ شوق سوں سرشار ہیں ہم	کبھو بے خود کبھو ہشیار ہیں ہم

ذیل میں وہ اشعار درج ہیں جن میں عشق حقیقی و عشقِ مجازی ایک دوسرے میں سرایت پذیر ہیں۔ شاعر مجاز کی راہ سے حقیقت کے عرفان کا طالب ہے۔ اس طرح کے اشعار میں بھی ولی نے نسوانی اعضا کو پردہ بنایا ہے۔ ایک سرمستی و سرشاری کی کیفیت اس قسم کے اشعار میں بھی ملتی ہے:

حسن تھا پردۂ تجرید میں سب سوں آزاد
طالبِ عشق ہوا صورتِ انساں میں آ

سجن کے حسن کوں ٹُک فکر سوں دیکھ
کہ یہ آئینہ معنی نما ہے

شغل بہتر ہے عشق بازی کا
کیا حقیقی و کیا مجازی کا

دیکھا ہے اک نگہ منیں حقیقت کے ملک کوں
جب بے خودی کی راہ میں دل نے سفر کیا

ولی کے یہاں تیسری صورت وہ ملتی ہے جس میں ارضی حسن کی پرستاری کی کیفیت پنہاں ہے۔ اس قسم کے کلام میں وہ ایک بت پرست اور سراپانگار کی حیثیت سے اپنا تعارف کراتے ہیں۔ اس قسم کے تجربے ہندوستانی گیتوں کے رنگ و رس کے اثرات سے معمور ہیں:

جب سوں تو کھایا ہے پان اے آفتاب
تیرے لعلِ لب بدخشانی ہوئے

اے موئے میاں و صف ترے موئے کمر کا
چیتے کی کمر پر قلم موسوں لکھا ہے

کیا ہوں ترک نرگس کا تماشا
طلب گارِ نگاہِ باحیا ہوں

تجھ لب کی صفت لعلِ بدخشاں سے کہوں گا
جادو ہیں ترے نین غزالاں سے کہوں گا

تجھ مکھ پہ یو تِل دیکھ کر لالے کا
دورِ خط سوں طوق جیوں مہتاب کا

05 ۔ولی کی سراپا نگاری

ولی کی شاعری میں جسمانیت کے پہلو کو وزیر آغا نے بت پرستی سے تعبیر کرتے ہوئے انھیں ایک جمال پرست اور حسیات کا شاعر قرار دیا ہے۔ وہ اس ذیل میں یہ واضح کرتے ہیں کہ:

’’اس (ولی) کی غزل کا امتیازی وصف ہی یہ ہے کہ نہ تو یہ محض جنگل کی پیداوار ہے اور نہ محض کھُلےمیدان کی! چنانچہ اگر ایک طرف اس کے ہاں بت پرستی اور سراپانگاری کی روایت موجود ہے تو دوسری طرف تشبیہ واستعارہ کی فراوانی اور باصرہ کا عمل دخل بھی نظر آتا ہے، بُت پرستی کا رجحان گیت کے اثرات کا غماز ہے۔ یہ اس فضا کی پیداوار ہے جہاں فاصلے ناپید ہوتے ہیں اور جسم کی قربت کا احساس بھڑک اُٹھتا ہے۔ ولی کی غزل کا معتد بہ حصہ ارضی حسن کے بیان پر مشتمل ہے اور ولی کو بجا طور پر ایک جمال پرست شاعر کا لقب دیا جاسکتا ہے لیکن اس خاص ضمن میں اس نے ہندی گیت اور دکنی اردو غزل کی روایت سے بھی اپنا تعلق قائم رکھا ہے جسے نظراندازکرنا ممکن نہیں۔‘‘

(اردو شاعری کا مزاج : وزیرآغا، ص 226-227)

ولی نے گیت کے اثرات ، دکنی شاعری کی عمومی روایت ہی سے اخذ کیے ہیں۔ خصوصاً سنسکرت کی شرنگار رس کی شاعری کے اس اثر سے اسے وابستہ کرکے دیکھا جاسکتا ہے جو کالیداس اور دوسرے سنسکرت شعرا کے احساس جمال کی نمائندہ ہے۔ جیسے کالیداس کی 'رِتو سنگھار' جیسی نظم میں شاعر حواس کی زبان میں محبوب کے ایک ایک عضوِ بدن کو اس طور پر پیش کرتا ہے جیسے ہر عضو کی اپنی ایک زبان ہے۔ ولی نے بھی جو لفظی تصویریں بنائی ہیں انھیں ہم گونگی مصوری سے تعبیر کرسکتے ہیں۔ مثلاً:

سر کروں جب وصف تیرے جامۂ گلرنگ کا
جامہ زیبوں کوں نیرنگِ صورتِ دیبا کروں

مستی نے تجھ نین کی مجھے بے خبر کیا
دل کوں مرے بھواں نے تری جیوں بھنور کیا

پڑیا ہے لعل میں پر تو سجن تجھ لب کی لالی کا
بیاں ہے مہ سوں روشن تر تری صاحب کمالی کا

گل رخاں میں جس کے سر پر طرّۂ زرتار ہے
زیبِ گلزارِ ادا، وہ سروِ خوش رفتار ہے

جولاں گری میں گرم ہے وہ شہسوار آج
سینے سوں عاشقاں کے اٹھے ہے غبار آج

سدا ہم کوں خیالِ رنگِ روئے یارِ جانی ہے
ہمارے شیشۂ دل میں شرابِ ارغوانی ہے

تجھ مکھ اُپر ہے رنگِ شرابِ ایاغِ گُل
ہے تیری زلف حلقۂ دودِ چراغِ گل

ان اشعار میں محبوب ایک'مثالی حسن'کا پیکر نظر آتا ہے۔ ولی کسی ایک زاویے سے اس کا مشاہدہ نہیں کرتے، اس کی ہر آن ایک نئے انداز کے مماثل ہے۔ اس کا جامۂ گلرنگ ہے۔ وہ چاند سے زیادہ روشن اور آفتاب سے زیادہ آتشیں ہے۔ وہ سرو قامت بھی ہے اور خوش رفتار بھی، ولی کے محبوب کے چہرے پر تل بھی ہے جس کا ذکر انھوں نے کئی اشعار میں مختلف تشبیہات کے پیرائے میں کیا ہے، مثلاً:

تجھ مکھ پہ یوں تل دیکھ کر لالے کا دل کالاہوا
دورِ خط سوں طوق جیوں مہتاب کا ہالا ہوا

تجھ خال ہے رخسار میں یا ہے بھنور گلزار میں
یا مصر کے بازار میں زنگی کھڑا رنگ بار کا

وہ خوش دہن ہے، اس کے نین شرابور ہیں، ابرو کیا ہیں صورتِ محراب ہیں، ہونٹ کیا ہیں لعلِ بدخشاں ہیں۔ محبوب کے تبسم کی موج کیا ہے رگِ یاقوت ہے۔ وہ نزاکتِ فہم ہے جس کی ہر بات دیباچۂ کتابِ سخن ہے، ولی اپنے محبوب کے طرزِ گفتگو اور حرف و صوت کی ادائیگی کی جابجا تعریف کرتے ہیں،مثلاً:

اے شکر لبِ سوں تجھ لب کی باتاں لذیذ
حرف تر اس کے ہیں جیسے جلوۂ سوہاں لذیذ

ولی کی شاعری میں محبوب کے سراپا و جمال کا جہاں ذکر آتا ہے وہاں ان کے اندازِ بیان کی دلکشی دوگنی ہوجاتی ہے۔ لب و لہجے میں کچھ زیادہ ہی غنائیت کا رنگ گہراہوجاتا ہے۔ ان کے بیان کی شگفتگی اور جذبات کی لطافت اور ان کے ذوقِ حسن کی یکتائی اسی طرح کے لمحوں میں اور زیادہ نمایاں ہوکر رنگارنگ سماں سا باندھ دیتی ہے۔

06. ولی کی شاعری میں لسانی عمل

ولی کی غزلیں فارسی تراکیب، فارسی لفظیات، فارسی تلمیحات اور فارسی تشبیہات و استعارات کے ساتھ ہی ہندوی الفاظ، گیتوں کا اندازِ تخاطب محبوب کے لیے استعمال ہونے والے ضمائر، لہجے کا دھیمے پن اور نشاطیہ آہنگ سے اپنی انفرادی وضع کی تشکیل کرتی ہیں۔ اگرچہ اس لسانی اور تہذیبی امتزاجی عمل سے ولی کے پیش رووں کی غزل کادامن بھی خالی نہیں ہے، لیکن ولی کے یہاں اس امتزاجی عمل نے ذاتی تجربے کی صورت اختیار کرلی ہے۔ وہ روایت کی اندھی تقلید کو اپنا مطمحِ نظر نہیں بناتے بلکہ ایک متوازن رویہ اختیار کرتے ہیں۔ ان کے پیش رووں کے کلام میں ہندوی اثرات کا غلبہ ہے جب کہ ولی کے یہاں فارسی اسالیب کے اثرات غالب حیثیت رکھتے ہیں۔ اسی لیے ولی کی غزل زیادہ صاف، زیادہ نکھری ہوئی زیادہ جامع اور زیادہ رواں ہے۔ ہندوستانیت کے اثر کی ایک صورت یہ ہے:

کوچۂ یار عین کاسی ہے　　　جوگیِ دل وہاں کا باسی ہے

کوچہ یار کو شاعر ہندوؤں کی مقدس نگری کاشی سے موسوم کرتا ہے اور دل کو جوگی سے تعبیر کرتا ہے۔ جوگیِ دل کی ترکیب میں اضافت کا استعمال بھی توجہ طلب ہے۔ دوسری جگہ کہتے ہیں:

رشتے کو بندگی کے ڈالا اپس گلے میں	دیکھا جو تجھ صنم کے زُنّار کا تماشا
رات دن انجھواں میں اپنے شاستر کرتا ہے تر	اے برہمن دیکھ تجھ کوں بید خواں مجنوں ہوا
دمِ تسلیم سوں باہر نکلنا سو قباحت ہے	نہ دھر اس دائرے سوں ایکدم باہر چرن ہرگز
ہندوئے زلفِ پری رو ہے پریشانی فروش	بیچ دیوے مُج کوں سودے میں اگر سودا کرے

درج ذیل شعر میں ہر دوار کو حوالہ بنایا ہے:

اے صنم تج جبیں اُپر یوں خال	ہندوئے ہردوار باسی ہے

ان اشعار میں سُبحہ و زُنّار، ہند کا لشکر، سری جن، درپن، گلدستۂ خوش باس کی ترکیب، دوبے، پیو، وغیرہ کو ولی نے اس خوبی سے باندھا ہے کہ اجنبیت کا احساس تک نہیں ہوتا۔ ولی اس خوبی کے ساتھ فارسی الفاظ، تراکیب اور تلمیحات کا بھی استعمال کرتے ہیں۔ پہلے یہ شعر دیکھیں:

گر ہوا ہے طالبِ آزادگی — بند مت ہو سُبحہ و زنّار کا

یک پلک دوجے پلک سوں نئیں ہوئی ہے آشنا — جب سے تیرے حسن نے بخشی ہے حیرانی مجھے

لیا ہے گھیر تجھ زلفاں نے تیرے کان کا موتی — مگر یہ ہند کا لشکر لگا ہے جا ستارے کوں

دل کوں گر مرتبہ ہے درپن کا — مفت ہے دیکھتا سری جن کا

ولی فارسی کی لسانی روایت کا گہرا علم رکھتے تھے۔ فارسی میں مستعمل تلمیحات، تشبیہات اور استعارات کا جو ذخیرہ ولی کی شاعری میں ملتا ہے وہ دکن کے کسی ا ور شاعر کے یہاں نہیں ملتا۔ ولی نے نئی ترکیبیں بنائیں جیسے گُلِ گلزار عاشقاں، گرمئ افسردہ طبع، پنبۂ مینا، مرہم کافور، خوبئ اعجازِ حسن یار، اسوار تازی، لبِ آب دار، رنگِ شرابِ ایاغ گل، شاہِ نوخطاں، لشکرِ آفات، حصارِ خامشی، موج شعلہ زن، خضرِ خط خوباں، چمن زارِ حیا، فکر اسبابِ وفا، کلیدِ قفلِ دانش، دیباچۂ کتابِ سخن، شعلۂ آواز اور اس طرح کی متعدد فارسی تراکیب سے ولی کا کلام جابجا آراستہ ہے وہ مشک ختن، کانِ یمن، حجر اسود، چاہِ زمزم، منصور، جامِ جم، آب حیواں، خضر، چشمۂ کوثر، انوری، خاقانی، بیدل، عرفی، کوہ کن، سکندر، بلال، وغیرہ ایسے سینکڑوں اشارات و تلمیحات کا ایک سلسلہ قائم ہوجاتا ہے جس میں بے ساختگی بھی ہے اور برجستگی بھی۔

ولی کی تشبیہات اپنے انوکھے پن کے باعث تازگی کا احساس دلاتی ہیں۔ بعض تشبیہات فارسی اور ہندی گیتوں سے ماخوذ ہیں اور بیش تر تشبیہات ولی کی اپنی خلق کردہ ہیں۔ اُن تشبیہات کی تعداد

زیادہ ہے جن میں حسِ بصارت کو کام میں لایا گیا ہے۔ وزیرآغا اسے ولی کے بت پرستی کے رجحان سے وابستہ کرکے دیکھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

''ولی نے تشبیہ اور استعارے سے بہت کام لیا ہے۔ تشبیہ یا استعارہ بجائے خود تحرک کا علمبردار ہے کہ یہ سیدھے اور قریب ترین راستےکے بجائے ایک طویل خمدار راستے کو طے کرکے اپنی منزل تک پہنچتا ہے۔ دوسرے ولی کے ہاں باصرہ کا عمل دخل زیادہ ہے اور اس نے اشیا اور مظاہر کو سننے یا چھونے کے بجائے دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ دراصل ولی تو ساری بات ہی'روشنی 'کی زبان میں کرتا ہے لیکن باصرہ کے اس تحرّک نے اس کے ہاں فکر کو متحرّک نہیں کیا۔ غالباً اس کا باعث ولی کے ہاں بت پرستی کا وہ شدید رجحان تھا جس کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ چنانچہ روشنی کے وسیلے کو استعمال کرنے کے باوصف اس نے 'پوجا' کی روش کو ترک نہیں کیا اور اپنے اشعار میں خود کو ایک ' آتش پرست'کے روپ میں پیش کرتا چلا گیا ہے۔''

(اردو شاعری کا مزاج: وزیرآغا، ص 227)

درج ذیل اشعار میں تشبیہ سازی اور شبیہ سازی کے عمل میں ولی حسِ بصارت کو بروئے کار لائے ہیں۔ اسی لیے ولی شعر نہیں کہتے تصویریں بناتے ہیں، ان کا ذہن ایک مصور کا ذہن ہے، ایک ایسے مصور کا ذہن جو اپنے حواس ہمیشہ بیدار رکھتا ہے اور اپنے اردگرد کی اشیا سے حواس کی بنیاد پر رشتہ استوار کرتا ہے:

ہوا ہے گرم توں جب آفتاب　　　کیا ہے ہوش نے پرواز آب

کے ماننددکے مانند

ولی کا یہ شعر غالب کے اس شعر کی یاد دلاتا ہے:

ضعف سے گریہ مبدّل بہ دم سرد ہوا
باور آیا ہمیں پانی کا ہوا ہوجانا

یا ہونٹوں پر سیاہ تل کو حوضِ کوثر پر حضرتِ بلال کے کھڑے ہونے سے تشبیہ دی ہے:

لب پہ دلبر کے جلوہ گر ہے جو خال
حوضِ کوثر پہ جیوں کھڑا ہے بلال

یا حسن کی آگ کے سامنے آفتاب کو محض ایک چنگاری سے موسوم کرنا:

کیوں ہوسکے جہاں میں ترا ہم سرِآفتاب
تجھ حسن کی اگن کا ہے یک اخگر آفتاب

یا صنم کی روشن بیانی کو سرتاپا زبان کہہ کر اسے شعلے کی مانند قرار دینا۔ روشنی کے پیکر کی یہ ایک انوکھی مثال ہے:

صنم میرا نپٹ روشن بیاں ہے
برنگِ شعلہ سرتاپا زباں ہے

اس شعر میں ظالم کو آب کرنے اور آہستہ آہستہ گُل کو گلاب کرنے میں جو مشابہت قائم کی ہے اسے خیال کی رعنائی اور خیال کی ندرت سے تعبیر کرنا چاہیے:

کیا مجھ عشق نے ظالم کوں آب آہستہ آہستہ
کہ آتش گل کوں کرتی ہے گلاب آہستہ آہستہ

محبوب کے حسن کو عکسِ آئینۂ خیال قرار دینا، آفتاب کا محبوب کے کوچے میں محرم ہوکر آنا اور صبحِ صادق کو اس کے بر (پہلو) میں جامۂ احرام سے تعبیر کرنا، میں بھی بڑی ندرت ہے:

حسن اس دل ربا کا مدت سوں
عکسِ آئینۂ خیال ہوا

آفتاب آتا ہے محرم ہو کے تجھ کوچے طرف
صبحِ صادق اس کے بر میں جامۂ احرام ہے

ولی کی غزل اس قسم کی مثالوں سے بھری پڑی ہے یہاں بس ایک مثال پر اکتفا کرتے ہیں۔ درج ذیل میں ولی نے 'غنچۂ بند قبا' کی ترکیب تراشی ہے۔ غالباً یہ ترکیب غالب نے ولی سے مستعار لی ہے۔ دونوں اشعار پیش ہیں۔ پہلے ولی کا شعر دیکھیں:

جیوں نسیم اب لگ سبک روحی مجھے حاصل نہیں
کس طرح اس غنچۂ بند قبا کوں و اکروں

غالب کہتے ہیں:

اسد بندِ قبائے یار ہے فردوس کا غنچہ
اگر وا ہو تو دکھلا دوں کہ اِک عالم گلستاں ہے

ولی کا شعر ہے:

ولی تیرے یہاں سوں اے تنک طبع | چلا ہے لذتِ دشنام لے کر

اور غالب کہتے ہیں:

کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب | گالیاں کھا کے بے مزہ نہ ہوا

ولی کا شعر ہے:

ولی راہِ محبت میں وفاداری مقدم ہے | وفا نئیں جس میں اس کو اہلِ ایماں کر نہیں گنتے

غالب کہتے ہیں:

وفاداری بہ شرطِ استواری اصل ایماں ہے | مَرے بت خانے میں تو کعبے میں گاڑو برہمن کو

ولی کے مضامین کو ناجی، آبرو، یکرنگ، یقین، فغاں ہی نے نہیں میر، سودا اور غالب تک نہیں بطریقِ احسن دہرایا ہے اور شمالی ہند کے بیش تر شعرا نے ولی کے اعجاز سخن اور ان کی استادی کا لوہا مانا ہے۔ یہاں صرف ایک مثال ہی کافی ہے۔ آبرو کہتے ہیں:

ولی ریختے بیچ استاد ہے | کہے آبرو کیوں کہ اس کا

جواب

اور حاتم جیسا استادِ فن اور استادِ زماں بھی یہ اعتراف کہے بغیر نہیں رہتا کہ:

حاتم یہ فنِ شعر میں کچھ تو بھی کم نہیں
لیکن ولی، ولی ہے جہانِ سخن کے بیچ

07. متصوفانہ جذبات کی ترجمانی

ولی قادرالکلام تھے، غزل کے علاوہ انھوں نے دوسری اصنافِ سخن میں بھی طبع آزمائی کی اور اپنی استادی کو منوایا۔ ولی بنیادی طور پر حسن کے پرستار واقع ہوئے تھے اور ان کا احساسِ جمال بھی بہت توانا تھا۔ جسمانیت یا یہ کہیے کہ ارضی حسن ان کے جذباتِ لطیف کو بار بار ابھارتا ہے اور ان کے اندازِبیان میں غیرمعمولی شگفتگی اور آہنگ میں نشاط آمیزی سرایت کرجاتی ہے۔ لیکن ان کے عشق کو محض عشقِ مجازی ہی سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ وہ وسعت پاکر عشق حقیقی میں ڈھل جاتا ہے۔ دراصل ولی کی شاعری دکنی شاعری کی متصوفانہ روایت ہی کی توسیع کرتی ہے۔ جس میں مجاز و حقیقت ایک دوسرے میں گھُل مل کر جذبات کی پاکیزگی کی مثال بن جاتے ہیں۔ احتشام حسین بھی ولی کی اس خصوصیت کے بارے میں یہ واضح کیا ہے کہ:

”ولی نے اپنی غزلوں میں زیادہ تر محبت کے جذبات کا بیان مختلف صورتوں سے کیا ہے۔ یہ جذبہ محبت وسعت اختیار کرکے مسلکِ تصوف کا عشق بن گیا۔ اردو شاعری میں ابتدا سے ہی تصوف کے خیالات جاری و ساری رہے ہیں۔ ولی

نے بھی ان خیالات کو بڑی خوبصورتی، ولولے اور قوت کے ساتھ پیش کیاہے غزلوں کی ایک بڑی خصوصیت یہ بتائی جاتی ہے کہ ان میں عام قلبی جذبات کو آپ بیتی کی شکل میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ تصوف بھی باطنیت اور داخلیت کا ظہار کرتا ہے۔ اس لیے ولی کی غزل پُراثر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک سچے عاشق کے حقیقی خیالات پیش کرتی ہے۔‘‘

(اردو ادب کی تنقیدی تاریخ: سید احتشام حسین، ص 43)

ولی کے کلماتِ عشق کی ایک تصویر یہ ہے:

عشق کے ہاتھوں سو ہوئے دل ریش	جگ میں کیا بادشاہ کیا درویش

یا دوسری صورت یہ ہے:

حسن تھا پردۂ تجرید میں سب سوں آزاد	طالبِ عشق ہوا صورتِ انساں میں آ
شغل بہتر ہے عشق بازی کا	کیا حقیقی و کیا مجازی کا
دیکھا ہے اک نگہ میں حقیقت کے ملک کوں	جب بے خودی کی راہ میں دل نے سفر کیا
دمِ تسلیم سوں باہر نکلنا سو قباحت	نہ دھر اس اس دائرے سوں ایک دم

ہے | باہر چرن ہرگز

صافی دلاں کَن بیٹھنا ہے کسبِ عزت کا سبب | دریا کا ہوکر ہمنشیں پہنچا ہے موتی آب کوں

ولی نے توکل و قناعت، تسلیم ورضا، خودی و بے خودی، سرشاری و سرمستی کے مضامین اور آئینہ و درپن کے استعارے میں جو شعر کہے ہیں ان کا سلسلہ جہاں ایک طرف دکنی شعرا کی متصوفانہ روایت سے جاملتا ہے۔ دوسرے ولی خود بھی صوفیانہ طبیعت و مزاج رکھتے تھے۔ سورت، احمد آباد، اورنگ آباد، برہانپور اور دلّی کی سیاحت محض سیاحت نہیں تھی اور نہ وہ آوارگی تھی بلکہ ان کے صوفیانہ مذاق کی ایک جھلک ان کی اُس تڑپ میں ملتی ہے جو انھیں کسی ایک جگہ ٹکنے نہیں دیتا۔ وہ ہر آستانے پر سجدہ ریزی کرتے ہیں، ایک سچے عاشق کی طرح وہ دیوانہ وار ہمیشہ گرمِ سفر رہتے ہیں اور آسودگیٔ خاطر کی تلاش میں انھیں دربدری میں لطفِ بے پایاں میسر آتا ہے۔ ولی کہتے ہیں:

یہاں ہے ہر طرف عالم میں حسنِ بے حجاب اس کا | بغیر ازدیدۂ حیراں نہیں جگ میں نقاب اس کا

اے نور، جان و دیدہ ترے انتظار میں | مدت ہوئی پلک سوں پلک آشنا نئیں

نئیں کئی تا سنے احوال میری دل فگاری کا | کہوں کس کَن گریباں چاک کر دکھ بے قراری کا

یک پلک دوجے پلک سوں نئیں | جب سے تیرے حسن نے بخشی ہے

ज्ञान-विज्ञान विमुक्तये
e-Pathshala पाठशाला
MHRD Govt. of India

ہوئی ہے آشنا حیرانی مجھے

ولی کو تصوف کی جو روایت ملی ہے اس میں وسیع المشربی، بے ثباتیِ دہر، عرفان و استغنا، توکل اور بے نیازی، کے مضامین کی خاص اہمیت ہے۔ ولی نے ان مضامین کو محض مضامین یا خیالات کے طور پر ادا نہیں کیا بلکہ اپنے جذبات کا رنگ بھی اس میں شامل کیا ہے۔ اس طرح تصوف ان کی قلبی واردات اور ذاتی تجربے کی صورت میں ابھر کر سچے جذبات کا احساس دلاتا ہے:

ولی کو نہیں مال کی آرزو
خدا دوست نئیں دیکھتے زر طرف

گر ہوا ہے طالب آزادگی
بند مت ہو سُبحہ و زنّار کا

ہمیشہ لشکرِ آفات سوں رہے محفوظ
نصیب جس کوں ہوا ہے حصارِ خاموشی

بھروسہ نئیں دولتِ تیز کا
عجب نئیں کہ تا ظہر آوے زوال

ولی نے متصوفانہ روایت کو جس طرح اپنے جذباتی رنگ سے ایک دلپذیر صورت بخشی تھی اس نے شمالی ہند کے شعرا پر بھی گہرا اثر قائم کیا۔ فارسی کی طرح اردو میں متصوفانہ روایت کی بنیادوں کو مستحکم کرنے میں ولی کی خدمات کا درجہ بہت بلند ہے۔ مزاج کا یہ قلندرانہ پن، توکل و استغنا کی یہ صورت، حرص و ہوس سے بے نیازی کا یہ عالم تقریباً ہر شاعر کے لیے کشش کا باعث تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اردو غزل کی تاریخ میں ولی کی حیثیت ایک عہدساز و تاریخ ساز کے

علاوہ کئی نئی روایتوں کے بنیاد ساز کی بھی ہے۔ جمیل جالبی نے بھی ولی کو 'روایت کا بانی' کہا ہے۔ ان کے لفظوں میں :

''ولی نے قدیم روایت کے بہترین اور زندہ اجزا کو اپنی شاعری میں سمیٹ لیا اور ان تمام آوازوں کو اپنی آواز میں جذب کرلیا جو تاریخ کے ساز کے مختلف تاروں سے نکل رہی تھیں... ولی کی آواز ان سب آوازوں سے مل بھی رہی ہے اور اُن سے الگ بھی ہے۔ ولی محبوب کا سراپا بیان کررہا ہے تو اس میں 'خارجیت' کے ساتھ 'داخلیت' بھی شامل ہوگئی ہے۔ غزل کی یہ روایت، جو آئندہ دور میں اپنے عروج کو پہنچی، اس کا سرچشمہ ولی کی غزل ہے۔ جتنے مضامین اردو غزل سے وابستہ ہیں وہ سب ولی کے ہاں ملتے ہیں۔ اسی لیے ولی کا نام اپنی اولیت اور روایت کے بانی کی حیثیت سے ہمیشہ سرِ فہرست و زندہ رہے گا۔''

(تاریخ ادب اردو (جلد اوّل): ڈاکٹر جمیل جالبی، ص 541)

10۔خلاصہ(Summary)

ولی کی غزل کی خصوصیات درج ہیں:

1. ولی قدیم و جدید کے درمیان ایک پُل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

2. انھوں نے دہلی میں سعداللہ گلشن کی ہدایت اور فارسی شعرا کی صحبتوں سے فیض اٹھایا اور غزل کو اس کے اصلی مزاج سے ہم آہنگ کردیا۔

3. ولی کی غزل میں ہندوستانی گیتوں کا رنگ رس بھی ہے اور فارسی غزل کے اثرات کی آمیزش بھی۔

4. ولی جمال پرست تھے اور ان کا احساسِ جمال بہت توانا تھا۔

5. ولی صوفیانہ مذاق رکھتے تھے لیکن ان کے یہاں عشقِ حقیقی و عشقِ مجاز کا ایک خوش آہنگ امتزاج ملتا ہے۔

6. ولی کے مضامین محض حسن و عشق کے جذبات ہی کے حامل نہیں ہیں۔ ان کے یہاں توکل و استغنا، بے ثباتیِ دہر، فلسفہ و حکمت، پند و نصائح اور حرص و ہوس سے بے نیازی پر مبنی خیالات کی ایک وسیع دنیا بھی ملتی ہے

7. ولی نے شمالی ہند کی شاعری پر گہرے اثرات قائم کیے۔ ہر قابلِ ذکر شاعر نے ان کی استادی کا لوہا مانا ہے۔

8. ولی اپنے لب و لہجے، بیان کی شگفتگی، خیالات کی رعنائی اور جمالیاتی رنگ و آہنگ کے اعتبار سے منفرد مقام رکھتے ہیں۔

9. ولی عہدساز و تاریخ ساز ہی نہیں بعض نئی روایتوں کے بنیاد ساز بھی ہیں۔

11. (الف) موضوعی (Subjective)سوالات

(i) یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ ولی قدیم و جدید کے درمیان ایک پل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

(ii) ولی کے لسانی عمل کی خصوصیات کیا ہیں؟

(iii) ولی کے جمالیاتی رنگ و آہنگ کے موضوع پر اظہارِ خیال کیجیے۔

(iv) ولی کی متصوفانہ شاعری پر بحث کیجیے۔

(ب) معروضی (Objective) سوالات: (صحیح کی نشاندہی کیجیے):

(i) ولی نے کہاں کا سفر نہیں کیا؟

(الف) عظیم آباد (ب) اورنگ آباد

(ج) سورت (د) احمدآباد

(ii) ولی کو کیا کہا جاتا ہے؟

(الف) شاعرِکمال (ب) شاعرِ جمال

(ج) دکنی شاعری کا باوا آدم (د) شاعرِ غم و الم

(iii) شمالی ہند کے کس شاعر نے ولی کو استاد کہا ہے؟

(الف) میر (ب) سودا

(ج) آبرو (د) یقین

(iv) 'رتو سنگھار' میں کس قسم کی شاعری ہے؟

(الف) متصوفانہ رنگ کی شاعری (ب) المیہ شاعری

(ج) شرنگار رس کی شاعری (د) رزمیہ شاعری

ولی کے علاوہ کس کی شاعری دکنی شاعری کے عروج کی مظہر ہے؟

(الف) داؤد (ب) بحری

(ج) قلی قطب شاہ (د) سراج اورنگ آبادی

(ج) صحیح /غلط (True/False) کی نشاندہی کیجیے

(i) ولی کا احساسِ جمال توانا تھا۔ (صحیح/غلط)

(ii) ولی کو فارسی روایت کا علم نہیں تھا۔ (صحیح/غلط)

(iii) ولی کا محبوب ایک مثالی حسن کا پیکر ہے۔ (صحیح/غلط)

(iv) وزیرآغا کی نظر میں ولی حسیات کے شاعر نہیں ہیں۔ (صحیح/غلط)

(د) خالی جگہو ں کو پر کیجیے(Fill in the blanks)

(i) ولی ہر............ پر سجدہ ریزی کرتے ہیں۔

(ii) ولی بنیادی طور پر حسن کے............ واقع ہوئے تھے۔

(iii) دکن میں ولی کے بعد .... کے علاوہ کوئی قابل ذکر شاعر پیدا نہیں ہوا۔

(iv) ولی قدیم و جدید کے درمیان دو............ کو جوڑتے ہیں۔

10- (الف) اہم بنیادی الفاظ کے معانی (Glossary)

توانا	مضبوط	مجاز	غیرحقیقی
حکمت	فلسفیانہ، فکر انگیز	مولِد	ولادت کی جگہ
توکل	قناعت	سُبحہ	تسبیح، دعا، ذکر
وافر	بہت زیادہ	استغنا	بے نیازی

★ (ب) موضوع سے متعلق نیٹ پر مواد دستیاب نہیں ہے۔

11 (ج) موضوع سے متعلق ضروری،حوالہ جاتی کتابوں کی فہرست

- گلدستہ خوش باس اسلم مرزا
- اردو شاعری کا مزاج وزیرآغا

- ولی سے اقبال تک سیدعبداللہ
- قدیم اردو ادب کی تنقیدی تاریخ محمد حسن
- اردو ادب کی تاریخ (جلد اوّل) جمیل جالبی

12 . معروضی سوالات کے جوابوں کی نشاندہی

(i)الف (ii) ب (iii) ج (iv) د

13 . صحیح،غلط کی نشاندہی

(i) صحیح (ii) غلط (iii) (iv) صحیح غلط

14 . خالی جگہوں میں پُر کیے جانے والے الفاظ کی نشاندہی

(i) آستانے (ii) پرستار (iii) سراج اورنگ آبادی (iv) ادوار

ePathshala पाठशाला